جہیز کی شرعی حیثیت

حافظ محمد سعد اللہ جونیئر ریسرچ آفیسر مرکز تحقیق

جہیز کی لغوی تعریف لفظ جہیز دراصل عربی زبان کے لفظ "جہاز" کا امالہ ہے جس کا اطلاق اس ساز و سامان پر ہوتا ہے جس کی (مسافر کو دورانِ سفر یا دلہن کو نئے گھر بسانے یا میت کو قبر تک پہنچانے کیلئے) ضرورت ہوتی ہے۔

مفردات للراغب اصفہانی میں ہے۔

الجهاز ما يعد من متاع وغيره والتجهيز حمل ذالك او بعثهٗ۔ [1]

جہاز اس سامان وغیرہ کو کہا جاتا ہے جو کسی کے لیے تیار کیا جاتا ہے اور تجہیز کا معنی ہے اس سامان کو اٹھانا یا بھیجنا۔

دائرۃ المعارف میں ہے عبارة عن مجموع ادوات معدة للقيام بعمل من الاعمال

جہاز اس ساز و سامان کے مجموعے سے عبارت ہے جو کسی کام کے کرنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے [2]

المنجد میں ہے۔

الجهاز للبيت او للمسافر او للعروس ما يحتاج اليه۔ [3]

---

[1] راغب اصفہانیؒ: المفردات فی غریب القرآن: ص ۱۰۱ طبع مصر ۱۳۸۱ھ۔

[2] بطرس البستانیؒ: دائرۃ المعارف: ۶: ۵۷۴ طبع بیروت۔

[3] المنجد: ص ۱۰۶ طبع بیروت ۱۹۵۶ء۔

جہاز گھر یا مسافر یا دلہن کے لیے وہ سامان ہے جس کی احتیاج ہوتی ہے۔ المنجد[1]
کی اس تعریف سے ملتی جلتی تعریف لغت کی دیگر معروف کتب مثلاً لسان العرب[2]، اقرب الموارد
اور دائرۃ المعارف[3] لفرید وجدی وغیرہ میں قدرے تغیر کے ساتھ منقول ہے جسے خوفِ
طوالت کی وجہ سے ترک کیا جاتا ہے۔

اسی مادہ سے باب تفعیل (جَهَّزَ تجهيزا) عموماً مستعمل ہے جس کے معنی ہیں
"سامان تیار کرنا"، "مہیا کرنا" خواہ وہ کسی مسافر کے لیے ہو یا کسی دلہن کے لیے یا کسی میت
کے لیے۔ مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں قرآن مجید میں ارشاد
ہوا۔

وَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ[4]

اور جب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کا سامان تیار کر دیا۔ یا ایک حدیث
نبوی میں آیا:۔

من جهز غازيا في سبيل الله فقد غزا[5]

جس شخص نے اللہ کے راستے میں کسی جہاد کرنے والے کو (سامان حرب سے) لیس کیا وہ
گویا خود جہاد میں شریک ہوا۔

جہیز کی مروجہ اصطلاحی تعریف

جہیز کے معنی اسباب اور سامان کے ہیں اصطلاحاً اس سر و سامان کو کہتے ہیں جو لڑکی کے

---

[1] ابن منظور افریقی: لسان العرب: ۵: ۳۲۵ طبع بیروت ۱۹۵۶ء

[2] سعید الخوری: اقرب الموارد: ص ۱۴۶ طبع بیروت ۱۸۸۹ء

[3] فرید وجدی: دائرۃ المعارف: ۳: ۲۶۲ طبع مصر ۱۳۸۶ھ

[4] سورۃ یوسف: ۵۹۔

[5] ولی الدین ابی عبداللہ: مشکوٰۃ: ۳۲۹ طبع سعید کمپنی کراچی۔

نکاح میں اس کے ہمراہ دیا جاتا ہے۔ جہیز دینے کی رسم بہت پرانے زمانے سے چلی آتی ہے۔ ہر ملک اور علاقے میں جہیز مختلف صورتوں میں دیا جاتا ہے لیکن وہ عام طور پر زیورات، نقدی کپڑوں اور روزانہ استعمال کے برتنوں پر مشتمل ہوتا ہے[1]۔ سید سابق کے الفاظ میں اصطلاحی تعریف کچھ یوں ہے۔

الجهاز هو الاثاث الذی تعده الزوجة هی واهلها لیکون معها فی البیت اذ دخل بها الزوج۔[2]

جہاز (جہیز) وہ سامان ہے جسے عورت خود اور اس کے ورثاء تیار کرتے ہیں تاکہ جب وہ بیاہ کر خاوند کے گھر جائے تو یہ سامان اس کے ساتھ ہو۔

رسم جہیز — ہندو معاشرت کی پیداوار

تمدن و تہذیب، معاشرت اور ثقافت میں جب ترقی ہوتی ہے تو دولت و ثروت کی فراوانی ہونے لگتی ہے۔ بچے کے پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک نئے نئے رسوم اور طریقے ایجاد ہوتے ہیں یا یوں سمجھو کہ مہد سے لے کر لحد تک بیسیوں رسومات ہونے لگتی ہیں اور مرنے کے بعد بھی اس کا سلسلہ باقی رہتا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کے پیدا ہونے سے اس کے مرنے تک جو مراسم انجام دے کر رہبری فرمائی وہ معدودے چند ہیں اور انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ بچہ پیدا ہونے پر اس کے کانوں میں اذان دینا، گھٹی ڈالنا، اچھا نام رکھنا پھر اس کا عقیقہ کرنا (اگر گنجائش ہو ورنہ یہ بھی ضروری نہیں) اذان، نام اور عقیقہ کے بعد اس کی مناسب تعلیم و تربیت اور بالغ ہونے پر نکاح کا حکم ملتا ہے۔ نکاح کے لیے چند شرائط اور مختصر سے احکام ہیں مثلاً عقدِ نکاح میں فریقین کی جانب سے دین داری کو ترجیح دینا، کفو کا خیال رکھنا، منکوحہ کو ایک نظر دیکھ لینا عقد پر کھجور یا شیرینی تقسیم کرنا اور نکاح کے بعد حسبِ توفیق دعوت ولیمہ۔ بس یہ تھے اسلام یا مسلمانوں

---

[1] اردو انسائیکلوپیڈیا ص ۵۴۹ طبع فیروز سنز لاہور کراچی۔

[2] السید سابق: فقہ السنہ: ۱۶۷/۲ طبع بیروت۔ لبنان ۱۳۸۹ ھ

کے سیدھے سادے سماجی مراسم۔ لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا دولت و ثروت میں اضافہ ہونے لگا نیز مذہب اسلام کا دائرہ دُور دُور تک پھیل گیا تو سماجی مراسم میں بھی دیگر اقوام سے معاشرت کی وجہ سے اضافہ ہوتا گیا۔

ہندوستان میں زیادہ تر مغل فرمانروا شہنشاہ اکبر اور دکن میں سلطان محمد قلی قطب شاہ نے مسلمانوں اور ہندوؤں کو ملانے، آپس میں اتحاد اور اتفاق پیدا کرنے اور یگانگت کی فضا قائم کرنے کے لیے بہت سی ہندی رسومات کو اپنا لیا تھا۔ یک جہتی پیدا کرنے کی خاطر ایسے رسومات اختیار کرنے لگے جن کا اسلامی تہذیب یا مسلمانوں میں پہلے سے کہیں وجود نہیں تھا مثلاً نکاح اور شادی کے موقعہ پر رسم مہندی رتجگا، مانجا، جلوہ اور بری وغیرہ وغیرہ۔ انہی رسومات میں ایک رسم مروجہ جہیز کی تھی۔ ہندو چونکہ لڑکیوں کو اپنی جائیداد میں سے حصہ نہیں دیتے تھے اس لیے شادی کے وقت اکٹھا ہی جو کچھ میسر ہو سکا "جہیز" کے نام سے لڑکی کے حوالے کر دیا۔ ہندوؤں کی دیکھا دیکھی آہستہ آہستہ یہ رسم مسلمانوں میں بھی جڑ پکڑنے لگی حتی کہ شادی کا "جزو لاینفک" بن گئی اور غریب والدین کے لیے مستقل دردسر بن گئی جس نے اب آسان دین کے آسان احکام میں اتنی تنگی پیدا کر دی ہے کہ بظاہر چھٹکارے کی کوئی صورت ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

مروجہ جہیز کوئی شرعی حکم نہیں

دین اسلام ایک مکمل دین ہے۔ جس نے انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی فرمائی ہے۔ قرآن و حدیث نے اساسی اور رہنما اصول بیان فرما دیئے ہیں پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طرز عمل ہمارے سامنے ہے۔ بعد میں ہمارے ائمہ مجتہدین اور فقہاء عظامؒ نے کوئی ایسا مسئلہ نہیں چھوڑا جس کی قرآن و سنت کی روشنی میں تفصیلات نہ بتا دی ہوں۔ حتی کہ متوقع اور فرضی پیش آمدہ مسائل کے بھی حل بتا دیئے ہیں۔ مسائل اور ضروریات انسانی میں نکاح اور شادی انسانی کی طبعی، فطری اور بنیادی ضرورت ہے۔

کوئی وجہ نہیں کہ اسلام، جو ایک فطری دین ہے، اس سلسلے میں اپنے ماننے والوں کی رہنمائی نہ فرمائے۔ انسانی نسل اور زندگی کو قائم رکھنے کے لیے نکاح چونکہ ایک لابدی چیز تھی اس لیے شریعتِ اسلامیہ نے اسے کما حقہٗ اہمیت دی۔ نکاح اور ازدواجی زندگی کا کوئی ایسا لازمی اور ضروری پہلو نظر نہیں آتا جس میں شریعت نے واضح ہدایات نہ دی ہوں۔ نکاح اور نکاح پر متفرع ہونے والے جملہ احکامات قرآن مجید میں بڑی تفصیل سے بیان ہوئے دورِ جاہلیت میں چونکہ عورتوں کی عام حیثیت انسان سے گر کر ڈھور ڈنگر کی بن چکی تھی اس لیے قرآن اور صاحبِ قرآن علیہ التحیہ والسلام نے ازدواجی زندگی میں عورتوں کے حقوق اور بہترین معاشرت پر انتہائی زور دیا۔ رحمان کے رحیم نبیؐ نے اپنے طرزِ عمل سے عورتوں کے جملہ حقوق کا تعین فرمایا۔

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اسلام کا دائرہ کار وسیع ہو جانے مسلمانوں کے مختلف ممالک میں پھیل جانے اور غیر مسلم اقوام کے ساتھ مل جل کر رہنے کی وجہ سے بعض رسومات اُن میں دانستہ یا نادانستہ پیدا ہو گئی تھیں۔ جن میں سے ایک رسم جہیز بھی ہے۔ اس رسم کے مسلمانوں میں آجانے کی وجہ سے متاخرین فقہاء کے فتاوٰی میں جہیز کے سلسلے میں چند جزوی احکامات ملتے ہیں ورنہ قرآن مجید میں، کتب احادیث میں، متقدمین فقہاء کی کتابوں میں مروجہ جہیز کا وجود ہی نہیں۔ صحاح ستہ، معروف کتب احادیث اور چاروں ائمہ فقہا کی امہات الکتب میں "باب الجہیز" کے عنوان سے کوئی باب نہیں اگر یہ کوئی شرعی حکم ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ جہاں نکاح سے متعلق دیگر احکامات مثلاً نان نفقہ، مہر، بہتر معاشرت، طلاق عدت وغیرہ تفصیلاً بیان ہوئے وہاں "جہیز" کا بیان نہ ہوتا۔

سنن نسائی جلد دوم باب جہاز البنت کے ماتحت آنے والی حدیث سے "مروجہ جہیز" کو شرعی حکم سمجھنا غلط ہے (۔اس کا بیان انشاءاللہ آگے آرہا ہے) مروجہ جہیز محض ایک رسم اور عرف ہے۔ اور فقہاء نے اسے رسم اور عرف کے زمرے میں ہی شمار کیا ہے۔ السید سابق لکھتے ہیں:

وقد جری العرف علی ان تقوم الزوجۃ واھلھا

باعداد الجهاز وتاثيث البيت وهو اسلوب من اساليب
ادخال السرور على الزوجة بمناسبة زفافها۔

یہ ایک عرف ہے کہ بیوی اور اس کے گھر والے جہیز اور گھر کا ساز و سامان تیار کرتے ہیں اور دوسرے یہ کہ عورت کے نئے گھر میں جانے کی مناسبت سے اس عورت کو خوش کرنے کا ایک طریقہ ہے۔

سید سابق ایک روایت سے استدلال کرنے کے بعد پھر لکھتے ہیں۔

وهذا مجرد عرف جرى عليه الناس۔ [1]

یہ صرف ایک عرف (عادت) ہے جو لوگوں کے اندر جاری ہے۔

جس طرح دیگر کئی ایک رسوم اور عرفوں کو جن میں کوئی شرعی قباحت یا ممانعت نہ تھی قبول کر لیا گیا اسی طرح اِس عرف (جہیز) کو بھی اپنا لیا گیا ورنہ یہ کوئی شرعی حکم یا نکاح کا کوئی لازمی جزو نہیں ہے۔

جہیز دینا خاوند کی ذمہ داری ہے

بیوی کی جملہ جائز ضروریات اور اخراجات کا شرعاً ذمہ دار خاوند ہے۔

ہدایہ میں ہے:

النفقة واجبة للزوجة على زوجها مسلمة كانت او كافرةً اذا سلمت نفسها الىٰ منزله فعليه نفقتها وكسوتها و سكناها والاصل فى ذالك قوله تعالىٰ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سعته۔ [2]

بیوی مسلمان ہو یا کتابیہ اس کا ہر قسم کا خرچہ خاوند پر واجب ہے جبکہ وہ (بیوی) اپنے

---

[1] السید سابق: فقہ السنۃ: ٢: ١٦٧ طبع بیروت۔

[2] ہدایہ اولین: ٤١٥ مطبع یوسفی لکھنو۔

آپ کو خاوند کے سپرد کر دے اور اس کے گھر منتقل ہو جائے اِس خرچہ میں اس کی خوراک، لباس اور رہائش کے لیے مکان داخل ہے۔ اور اس حکم کی بنیاد باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ وسعت والے کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیئے۔

بیوی ہوتے ہوئے سکنٰی (رہائش کے لیے مکان) کا دینا تو واجب ہے ہی بعد از طلاق بھی دورانِ عدت بیوی کے لیے سُکنٰی مہیّا کرنا لازمی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے؛

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ۔ [1]

ان (مطلقات) کو اپنی حیثیت کے موافق رہنے کا مکان وہ جہاں تم رہتے ہو۔ ظاہر ہے جب رہنے کا مکان خاوند کے ذمہ ہے تو ایک مکان میں رہنے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہو سکتی ہے اور اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے اور سونے کے لیے جن اشیاء کا استعمال میں لانا ضروری ہے اور جن کو ہماری اصطلاح میں "جہیز" کہا جاتا ہے وہ بھی خاوند ہی کے ذمہ واجب ہوں گی۔ الاحوال الشخصیہ میں عصر حاضر کے مشہور فقیہ محمد ابوزہرہ "متاع البیت" کے عنوان سے فقہاء حنفیہ کی رائے بتاتے ہوئے رقمطراز ہیں؛

رأى الحنفية، وهو ان اعداد البيت على الزوج لان النفقة بكل انواعها من مطعم و ملبس و مسكن عليه واعداد البيت من المسكن فكان بمقتضى هذا الاعداد على الزوج اذا النفقة بكل انواعها تجب عليه والمهر ليس عوض الجهاز لانه عطأ ونحلة كما سماه القرآن فهو ملك خالص لها و هو حقها على الزوج بمقتضى احكام الزواج وليس ثمه من مصادر الشريعة ما يجعل المتاع حقا على المرءة ولا يثبت حق من حقوق الزواج من غير

---

[1] سورہ الطلاق: ۶۔

دلیل ۔ [1]

ترجمہ: حنفی فقہاء کی رائے یہ ہے کہ گھر (اور گھریلو سامان) کی تیاری خاوند کے ذمہ ہے کیونکہ ہر قسم کا خرچہ مثلاً کھانا، لباس اور رہائش کی جگہ دینا اس پر واجب ہے۔ اور گھریلو ساز و سامان (جسے عرف عام میں جہیز کا نام دیا جاتا ہے) رہائش کے مکان میں داخل ہے۔ پس اس اعتبار سے گھریلو ساز و سامان کی تیاری خاوند پر واجب ہوئی۔ حق مہر جہیز کا عوض نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ صرف اور صرف عطیہ ہے جیساکہ قرآن مجید نے اس کا نام نحلۃ (عطیہ) رکھا۔ وہ خالصتہً بیوی کی ملک ہے اور خاوند پراس کا حق ہے۔ مصادر شریعت میں سے کوئی ایسی دلیل نہیں جس کی بنیاد پر گھریلو ساز و سامان کی تیاری کو عورت کا حق قرار دیا جا سکے۔ اور بغیر کسی دلیل کے کبھی کوئی حق ثابت نہیں ہوتا۔

مالکی فقہاء کے نزدیک اگرچہ جہیز کے سامان کی تیاری عورت کے ذمہ ہے تاہم اس میں بھی یہ وضاحت ہے کہ وہ یہ سامان پیشگی رقم مہر سے بنائیے گی نہ کہ اپنے ذاتی مال یا والدین کے مال سے۔ اگر خاوند کی طرف سے پیشگی کوئی رقم رخصتی سے قبل اس کے پاس نہ بھیجی جائے تو اس پر سامان جہیز لازم نہیں ہے۔ فان لم تکن قد قبضت شیئا من المھر فلیس علیھا جھاز [2]

اگر اس عورت نے پیشگی مہر میں سے کوئی چیز نہ لی ہو تو جہیز اس پر واجب نہیں۔ فقہ مالکی کی ایک دوسری معروف کتاب میں یوں ہے۔

فان لم تقبض شیئا قبل البناء لم یلزمھا تجھیز۔ [3]

اگر بیوی نے رخصتی سے قبل کوئی چیز نہ لی ہو تو اس پر سامان جہیز لازم نہیں۔

سید سابق نے اسی چیز کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

واما المسئول عن اعداد البیت اعدادا شرعیا، وتجھیز کل ما

---

[1] محمد ابوزہرہ: الاحوال الشخصیۃ: ۲۳۸ طبع دار الفکر العربی ۱۹۷۷ء۔

[2] ایضاً۔

[3] محمد عبداللہ، الکواکب الدریہ فی فقہ المالکیہ ۲: ۱۸۲ طبع قاہرہ ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء

يحتاج له من الأثاث والفرش والادوات فهو الزوج، والزوجة لا تسأل عن شئ من ذالك حتى ولو كانت زيادة المهر من اجل الاثاث، لان المهر انما تستحقه الزوجة في مقابل الاستمتاع بها، لا من اجل اعداد الجهاز لبيت الزوجية، فالمهر حق خالص لها، ليس لابيها ولا لزوجها، ولا لاحد حق فيه۔[۱]

ترجمہ: گھر کی شرعی تیاری اور گھر کے لیے ہر اس چیز کا مہیا کرنا جس کی احتیاج ہوتی ہے مثلاً سامان، بستر سے اور برتن وغیرہ کا مسئول (ذمہ دار) خاوند ہے۔ ان اشیاء ضرورت میں سے کسی بھی شئے کے متعلق عورت سے سوال نہیں کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر مہر کی رقم سامانِ بیت کی نیت سے زیادہ رکھی جائے تو بھی عورت پر سامان بیت لازم نہیں کیونکہ مہر کی رقم اس عورت سے فائدہ اٹھائے جانے کے مقابلے میں ہے نہ کہ سامان جہیز کی تیاری کے لیے۔ مہر صرف اور صرف اسی کا حق ہے جس میں نہ اس کے والد نہ اس کے خاوند اور نہ ہی کسی اور شخص کا حق ہے۔

عین شادی کے موقعہ پر جہیز لازم نہیں

یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ سامان جہیز شرعاً خاوند کے ذمہ واجب ہے۔ جب بیوی اس کے گھر جائے گی تو اس کی جملہ جائز ضروریات (نہ کہ تعیشات) کا وہ ضامن ہوگا۔ مگر اس پر یہ لازم نہیں کہ عین شادی کے موقعہ پر (جیسا کہ ہمارے معاشرے میں رواج ہے) سامان جہیز لاکر لوگوں کے سامنے رکھے اگرچہ اس کا گھر پہلے ہی سامان سے بھرا پڑا ہو۔ دورِ نبوی میں سوائے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی کے موقعہ کے کوئی ایسی شادی نظر نہیں آتی کہ عین شادی کے موقعہ پر خاوند کی طرف سے سامان جہیز دیا گیا ہو حضرت فاطمۃ الزہراء

---

[۱] السید سابق۔ فقہ السنۃ: ۲: ۱۶۷ طبع بیروت

کے سامان جہیز کی تیاری کی پیشگی ضرورت بھی صرف اس لیے آئی تھی کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر کفالت تھے۔ اور ان کا الگ کوئی مکان یا گھریلو ساز و سامان نہ تھا۔ ورنہ آنجناب ؐ کی باقی تینوں بناتِ طاہرات کی شادیوں کے موقعہ پر ایسا نہیں ہوا نہ ہی آنجنابؐ کی اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح کے موقعہ پر کسی قسم کا جہیز دیا گیا ہے۔ شرعی طور پر گھریلو ساز و سامان جب پہلے ہی سے خاوند کے ذمہ ہے اور اسے یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ مجھے لامحالہ یہ اشیاء بیوی کو مہیا کرنا ہیں تو عین شادی کے موقعہ پر ان اشیاء کا دکھانا عبث ہے۔ آخر زندگی بھر میں بیوی نے جو کچھ کھانا ہے، پہننا ہے، دوا کرنا ہے، وغیرہ وغیرہ وہ تو کوئی نہیں دکھاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی کا ایک واقعہ ہے:

عن خيثمة قال زوج النبي صلى الله عليه وسلم امرءة ثم جهزها الى زوجها و لم يعطها شيئاً۔ [1]

حضرت خیثمہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کا نکاح کر دیا پھر اسے تیار کر کے اس کے خاوند کی طرف بھیج دیا حالانکہ اس خاوند نے اسے کوئی چیز نہ دی تھی۔

اسی طرح بعد کے ادوار میں بھی کہیں اس کا تذکرہ نہیں ملتا کہ عین شادی کے موقعہ پر سامان جہیز دینے کا رواج رہا ہو امام غزالی نے لکھا ہے کہ حضرت بلال اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہما ایک عرب قبیلے کے پاس آئے اور انہیں پیغام نکاح دیا۔ انہوں نے پوچھا تم کون ہو۔ ان دونوں صحابہ نے جواب دیا کہ ہم گمراہ تھے اللہ نے ہمیں ہدایت نصیب فرمائی، ہم مملوک تھے اللہ نے ہمیں آزاد فرمایا اور ہم مفلوک الحال تھے اللہ نے ہمیں غنی بنایا اگر تم ہم سے اپنی لڑکیوں کی شادی کر دو تو الحمد للہ اور اگر نہ کرو تو سبحان اللہ۔ ان لوگوں نے کہا کہ (گھبراؤ نہیں) تمہاری شادی کر دی جائے گی۔ اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ [2]

---

[1] مصنف عبد الرزاق: ۶: ۱۸۲ طبع مجلس علمی کراچی ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء۔

[2] امام غزالی: احیاء العلوم ۲: ۵۰ طبع قاہرہ ۱۳۸۷ھ۔

اس واقعے میں کہیں جہیز لانے کا ذکر نہیں ۔ اور ہوتا بھی کیوں کہ جہیز (سامان بیت) تو خاوند کی ذمہ داری ہے ہی پھر اس کے ذکر کرنے کا کیا تُک ؟ ۔ اگر کوئی آدمی عورت کے نان نفقہ اٹھانے کی استطاعت نہیں رکھتا تو وہ شادی کا مکلّف ہی نہیں ہے[1]۔

عین شادی کے موقعہ پر جہیز کے لازمی نہ ہونے کے سلسلے میں حلیۃ الاولیاء[2] لابی نعیم اصفہانی میں مندرج ایک واقعہ سب کیلئے باعث سبق ہے ۔ جس کا ماحاصل یہ ہے کہ مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیبؒ کے پاس ایک آدمی آیا جایا کرتا تھا ۔ ایک مرتبہ وہ کئی دن غائب رہا اور کافی عرصے کے بعد آیا تو حضرت سعید نے غائب رہنے کی وجہ دریافت کی ۔ اس نے بتایا کہ اس کی بیوی فوت ہو گئی تھی لہٰذا مصروف رہا ۔ حضرت سعید نے اس سے پوچھا "کیا تُو نے کوئی دوسری شادی کر لی ہے" ؟ اس نے بتایا کہ "میں فقیر آدمی ہوں مجھے کون رشتہ دے گا" ؟ حضرت سعید نے دو درہم مہر کے عوض وہیں اس کا نکاح اپنی بیٹی سے کر دیا ۔ وہ آدمی جب گھر چلا گیا تو شام کو خود اپنی بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر اس کے گھر چھوڑ آئے ۔ حضرت سعید نے اپنی بیٹی کا یہ رشتہ خلیفۂ وقت کو بھی نہیں دیا تھا ۔

اس واقعے سے بھی یہ بات ثابت ہوئی کہ شادی کے موقع پر خاوند یا بیوی کی طرف سے سامان جہیز دیا جانا ضروری نہیں ۔ اور نہ ہی یہ کوئی نکاح اور شادی کا لازمہ ہے ۔ ورنہ سعید بن مسیب جیسا متبع سنت تابعی اس کی خلاف ورزی نہ کرتا ۔

لڑکی یا اس کے والدین سے جہیز کا مطالبہ ناجائز ہے

یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ سامانِ جہیز خاوند کی ذمہ داری ہے اور وہ جملہ ضروری گھریلو اشیاء کے مہیا کرنے کا پابند ہے ۔ لہٰذا خاوند کو اس بات کا قطعاً حق نہیں

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح : ۲۶۷ طبع سعید کمپنی کراچی ۔

[2] ابو نعیم : حلیۃ الاولیاء : ۲ : ۱۶۷ تا ۱۶۹ ۔

کہ وہ بیوی یا اس کے والدین سے جہیز کا مطالبہ کرے یا انہیں مجبور کرے۔ المحلی لابن حزم میں ہے:

ولا یجوز ان تجبر المرءۃ علی ان تتجھز الیہ بشیٔ اصلاً لا من صداقھا الذی اصدقھا ولا من غیرہ من سائر مالھا والصداق کلہ لھا تفعل فیہ ما شاءت لا اذن للزوج فی ذالک ولا اعتراض وھو قول ابی حنیفۃ والشافعی وابی سلیمان وغیرھم۔ [1]

ترجمہ: عورت کو اس بات پر مجبور کرنا جائز نہیں کہ وہ خاوند کے پاس سامان جہیز لائے۔ نہ ہی اُس مہر کی رقم سے جو خاوند نے اسے دی ہے اور نہ ہی اس کے دوسرے اپنے مال سے۔ مہر سارے کا سارا اس کی ملکیت ہے اس میں وہ جو چاہے کرے خاوند کو اس میں کسی قسم کے دخل دینے کا حق نہیں۔ یہ قول امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور ابی سلیمان وغیرہ کا ہے

کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ میں ہے:

فاذا تزوجھا علی الف جنیہ مھرا، وکانت العادۃ ان مثل ھذا المھر یقابل بجھاز کبیر یلیق بحالھما ولکنھا لم تفعل فانہ لا حق للزوج فی مطالبتھا بالجھاز.... فانہ یجب علی الرجل ان یعد للمرءۃ محلا یشتمل علی حاجیات المعیشۃ۔ [2]

ترجمہ: اگر کوئی آدمی ایک ہزار مہر پر کسی عورت سے نکاح کرے اور عادت یہ ہو کہ اتنا مہر ایک بڑے جہیز کے مقابلے میں ہوتا ہو مگر وہ عورت ایسا نہ کرے (جہیز نہ لائے) تو خاوند کو اس بات کا حق نہیں کہ وہ اس سے جہیز لانے کا مطالبہ کرے۔ آدمی پر واجب ہے کہ وہ عورت کے لیے ایسی رہائش کی جگہ تیار کرے جو ضروریات زندگی پر مشتمل ہو۔

---

[1] ابن حزم اندلسی: المحلی: ۶: ۱۶۸ طبع مصر

[2] عبدالرحمٰن الجزیری: الفقہ علی مذاہب الاربعہ: ۴: ۱۷۶ طبع مصر

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

الصحیح انه لا یرجع علی ابی المرءة لبشیٔ لان المال فی النکاح غیر مقصود۔ [1]

ترجمہ: صحیح یہ ہے کہ خاوند بیوی کے باپ سے کسی شئے کا مطالبہ نہ کرے کیونکہ مال نکاح میں مقصود نہیں ہے۔

الاحکام الشرعیہ میں ہے۔

لیس المال بمقصود فی النکاح فلا تجبر المرءة علی تجهیز نفسها من مهرها ولا من غیره ولا تجبر ابوها علی تجهیزها من ماله فلو زفت بجهاز قلیل لا یلیق بالمهر الذی دفعه الزوج او بلا جهاز اصلا فلیس له مطالبتها ولا مطالبة ابیها لبشیٔ منه ولا تنقیص شیٔ من مقدار المهر الذی تراضیا علیه۔ [2]

ترجمہ: نکاح میں مال مقصود نہیں لہٰذا عورت کو اپنے مہر کی رقم یا کسی دوسری رقم سے اپنے لیے سامان جہیز لانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس کے والد کو مجبور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی گرہ سے جہیز دے۔ اگر عورت اتنا کم جہیز لائے کہ وہ اس مہر کی مقدار کے شایان شان نہ ہو جو خاوند نے اسے دی ہے یا سرے سے جہیز لائے ہی نہ تو خاوند اس بات کا مجاز نہیں کہ وہ اس سے یا اس کے والد سے جہیز میں سے کسی چیز کا مطالبہ کرے اور نہ ہی اسے یہ حق ہے کہ وہ اس مہر کو کم کرے

---

[1] فتاویٰ عالمگیری: ۱: ۳۲۸ طبع مصر ۱۳۱۰ھ

[2] لجنۃ احیاء التراث العربی: الاحکام الشرعیہ فی الاحوال الشخصیہ علی مذہب ابی حنفیہ ص ۹۳ طبع بیروت ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء

جس پر فریقین (میاں، بیوی) راضی ہو چکے۔

نکاح تجارت نہیں

نکاح شریعت کی نگاہ میں محض شہوات کی تسکین کا ذریعہ نہیں۔ اس عقد سے متعدد دینی دنیاوی ظاہری باطنی جسمانی روحانی معاشی معاشرتی اور عمرانی فوائد مقصود ہیں۔ قرآنی مفہوم میں نکاح اولاً میاں بیوی کے درمیان اور پھر میاں بیوی کے خاندانوں کے درمیان تسکین محبت و مودت، شفقت و رحمت اور تعلق و نسبت کا ایک مؤثر سبب ہے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے سب شادیاں اسی نقطہ نگاہ سے فرمائیں۔ یہی وجہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رض کے سوا آپ ص کی تمام ازواج مطہرات بیوہ تھیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے اس پاکیزہ رشتہ کو تجارت کا درجہ دے دینا یا ذریعہ آمدن بنا لینا جائز نہیں۔ تمام کتب احادیث میں کتاب النکاح کے اندر ایسی بہت سی روایات[1] ملتی ہیں جن میں رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال و منال اور دولت و ثروت کے حصول کے طمع میں نکاح کرنے کو ناپسند فرمایا ہے۔ صرف ناپسند ہی نہیں بعض احادیث میں منع فرمایا ہے مثلاً ایک حدیث کے الفاظ یوں ہیں۔

لا تنكحوا النساء لحسنهن ولا تنكحوهن لاموالهن الخ[2]

عورتوں کے ساتھ محض ان کے حسن و جمال کی وجہ سے نکاح نہ کرو اور نہ ہی محض ان کے اموال کے لالچ میں ان سے نکاح کرو۔

پھر یہ کہ نکاح سے مقصود نسل انسانی کی بقاء اور تناسل ہے نہ کہ مال و دولت۔ مال و دولت حاصل کرنے کے اور بہت سے ذرائع ہیں۔ الاحکام الشرعیۃ کی شرح میں لکھا ہے۔

الغرض من الزواج التناسل لا المال۔[3]

---

[1] خوف طوالت کی وجہ سے جنہیں یہاں نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

[2] ابن حزم: المحلی: ۶: ۶۱۸ طبع مصر

[3] محمد زید الابیانی: شرح الاحکام الشرعیہ فی الاحوال الشخصیہ: ۱: ۱۷۴ طبع مصر ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء

ازدواجی تعلق سے مقصود تناسل ہے نہ کہ مال۔

لہٰذا لڑکے والوں کو یہ جائز نہیں کہ وہ لڑکی والوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھائیں اور ان کی اس مجبوری کی وجہ سے منہ مانگا سامان جہیز وصول کریں (جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا) اور نہ ہی لڑکی والوں کے لیے جائز ہے کہ وہ لڑکے والوں کی ضرورت سے ناجائز فائدہ اٹھائیں۔ فتاویٰ شامی میں ہے۔

ومن السحت ما یاخذہ الصھر من الختن بسبب بنتہ۔[1]

سسر اپنی بیٹی کے سبب سے اپنے داماد سے جو کچھ لیتا ہے وہ حرام ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

ولو اخذ اھل المرءۃ شیئاً عند التسلیم فللزوج ان یستردہٗ لانہ رشوۃ۔[2]

لڑکی والے لڑکی کو دیتے وقت اگر کوئی چیز وصول کریں تو خاوند کو اس بات کا حق ہے کہ وہ ان سے اس چیز کی واپسی کا مطالبہ کرے کیونکہ وہ رشوت ہے۔

نکاح میں قابل لحاظ چیز — دین

نکاح کے مقاصد میں سب سے بڑا مقصد چونکہ تناسل حصول اولاد اور پھر اولاد کی مناسب تعلیم و تربیت اور اچھے افراد معاشرہ پیدا کرنا ہے۔ اس لیے نکاح میں شرعاً سب سے زیادہ قابل لحاظ چیز دینداری اور اخلاق ہے۔

حدیث نبوی ہے:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تنکح المرءۃ لاربع لمالھا ولحسبھا ولجمالھا ولدینھا

---

[1] ابن عابدین: رد المحتار: ۵: ۳۱۰

[2] فتاویٰ عالمگیری: ۱: ۳۴۰

فاظفر بذات الدین تربت یداک متفق علیہ [1]

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (عموماً) چار وجوہ سے عورت کے ساتھ نکاح کیا جاتا ہے ۱ اس کے مال کی وجہ سے ۲ اس کے حسب نسب کی وجہ سے ۳ اس کے حسن وجمال کی وجہ سے اور ۴ اس کے دین کی وجہ سے۔ اے ابوہریرہ! تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں دین والی عورت کے ساتھ نکاح کر کے کامیابی حاصل کر۔

اسی طرح لڑکی والوں کے لیے ہدایت ہے کہ وہ انتہائی جدید تعلیم یافتہ، کسی اعلیٰ منصب پر فائز، ملک سے باہر ملازم، سرمایہ دار، جاگیردار، اور کاروباری لڑکے ہی کو نہ تلاش کرتے رہیں حتیٰ کہ اس تلاش میں اپنی بچیوں کی شادی کی عمر کو گنوا دیں بلکہ دینداری اور حسنِ اخلاق کو مدنظر رکھیں۔ اگر کسی متدین اور بااخلاق لڑکے کے لیے ان سے لڑکی کا رشتہ مانگا جائے تو فوراً ایسے رشتہ کو قبول کریں تاکہ معاشرہ میں جنسی بے راہروی نہ جنم لے۔

ارشاد نبوی ہے۔

اذا خطب الیکم من ترضون دینہ وخلقہ فزوجوہ ان لاتفعلوا تکن فتنۃ فی الارض وفساد عریض۔ [2]

اگر تمہاری طرف کوئی ایسا آدمی پیغام نکاح بھیجے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دو۔ اگر ایسا نہیں کرو گے۔ (اور صاحب مال اور صاحب جاہ لڑکوں کی تلاش اپنی لڑکیوں کو بٹھائے رکھو گے) تو زمین میں فتنہ اور بہت فساد پھیل جائے گا۔

ملا علی قاری نے شرح السنہ کے حوالے سے لکھا ہے۔

روی ان رجلا جاء الی الحسن وقال ان لی بنتا وقد خطبھا غیر

---

[1] ولی الدین ابی عبداللہ، مشکوٰۃ: ۲۶۷ طبع سعید کمپنی کراچی ۱۳۹۹ھ

[2] ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی: جامع ترمذی: ۱۷۵ طبع نور محمد کراچی

واحد فمن تشير علی ان ازوجها قال زوجها رجلا یتقی اللہ فانہ ان احبھا اکرمھا وان ابغضھا لم یظلمھا۔[1]

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک آدمی حضرت حسن کے پاس آیا اور عرض کی۔ میری ایک بیٹی ہے جس کے واسطے بہت سے آدمیوں نے پیغام نکاح بھیجا ہے کس آدمی کے ساتھ آپ نکاح کا مشورہ دیتے ہیں؟ امام حسن نے فرمایا تو اپنی بیٹی کا نکاح ایسے آدمی کو کر دے۔ جو اللہ سے ڈرتا ہو (متقی ہو) کیونکہ اگر وہ اس سے محبت رکھے گا تو اس کی عزت و تکریم کرے گا اور اگر (بالفرض) کبھی اس پر ناراض ہوا تو اس پر زیادتی نہ کرے گا۔

ان روایات سے واضح ہوا کہ نکاح میں اصل قابل اعتبار چیز دینداری ہے نہ کہ صرف مال و دولت اور حسن و جمال۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرمودات کو پیش نظر رکھتے ہوئے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی میں اگر بلا وجہ اور خواہ مخواہ تاخیر نہ کی جائے تو بہت سی معاشرتی اور جنسی برائیاں ختم ہو سکتی ہیں اس مادہ پرست جسم پرست اور چہرہ پرست معاشرے میں سارا حسن بال کھال اور خدوخال تک رہ گیا ہے حالانکہ کتنے ہی سادہ چہروں کے پیچھے خوش اخلاقی وفا شعاری، اطاعت گزاری اور تحفظ ناموس کا ایک خزانہ حسن مخفی ہوتا ہے۔

جہیز باعث تسکین نہیں

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ عورت اگر خاوند کے گھر اپنے ساتھ سامان جہیز بھی لائے تو یہ "سکون کا سامان" ہوگا اور دوسرے ارشاد باری تعالیٰ۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۔[2]

---

[1] ملا علی قاری؛ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ۶: ۱۸۸ طبع مکتبہ امدادیہ ملتان

[2] سورۃ الروم: ۲۱

(اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے (یعنی میاں بیوی کے) درمیان محبت و ہمدردی پیدا کر دی) کی مراد کے زیادہ قریب ہے — حالانکہ والدین کی طرف سے سامان جہیز کو لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا کی مراد کے قریب قرار دینا محض ایک مفروضہ ہے جس کی کوئی شرعی دلیل نہیں۔ صرف مال و دولت یا ساز و سامان سے کم ہی قلبی یا ذہنی سکون نصیب ہوتا ہے۔ بہت سے ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کے پاس دنیا کی ریل پیل ہوتی ہے مگر زندگی میں اطمینان و سکون نامی چیز سے محروم ہوتے ہیں۔ میاں بیوی کا اگر جوڑ نہیں، ان کے خیالات و نظریات ایک جیسے نہیں یا جہاں عورت کو اس کی حیثیت کے مطابق مرتبہ و مقام نہیں دیا جاتا تو وہاں محض سامان جہیز ان کے نباہ کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ ہمارے اس معاشرے میں بیسیوں ایسی مثالیں ہیں کہ عورت لکھ پتی اور کروڑپتی آدمی کو چھوڑ کر ایسے آدمی کے ساتھ گزارہ کر لیتی ہے جو اتنا امیر کبیر نہیں ہوتا ایک خیال یہ بھی ہے کہ جتنا زیادہ سے زیادہ جہیز لڑکی کو دیا جائے گا سسرال میں اس کی قدر و منزلت بڑھے گی۔ حالانکہ بسا اوقات حد سے زیادہ جہیز دینا لڑکی کے حق میں الٹا بھی ثابت ہوتا ہے۔ شکی سسرال کی عورتیں جہیز کی زیادتی کو منفی رنگ میں لیتی ہیں۔

پنجابی کی ایک مثل ہے۔

جنی دہ اونی کھہ" (جتنا زیادہ جہیز دو گے اتنی ہی زیادہ خاک اڑے گی)

ایک اور پنجابی کہاوت ہے۔

آؤن ننگیاں ہوسن چنگیاں، آؤن بھر کے وسن ڈر کے" (بغیر جہیز کے آنے والی بہوئیں خوب مزے سے ہنستی بستی ہیں جب کہ زیادہ جہیز لانے والی ڈر کے رہتی ہیں)

لہٰذا سامان جہیز کو "سکون کا سامان" اور ارشاد قرآنی لتسکنوا الیہا کی مراد کے زیادہ قریب سمجھنا محض ایک مفروضہ ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں۔

مروجہ جہیز سنت نہیں

مروجہ جہیز یعنی شادی کے موقعہ پر والدین کا اپنی گرہ سے سامان جہیز خرید کر لڑکی کے ساتھ بھیجنے کو عموماً سنت نبوی تصور کیا جاتا ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اس مغالطہ کا باعث وہ روایت ہے جسے امام احمد بن حنبل اپنی مسند[1] میں حاکم اپنی مستدرک[2] میں اور امام نسائیؒ اپنی سنن[3] وغیرہ میں قریباً ایک جیسے الفاظ کے ساتھ لائے ہیں۔ سنن نسائیؒ کے الفاظ یہ ہیں۔

عن علی رضی اللہ عنہ قال جہز رسول اللہ فاطمۃ فی خمیل و قربۃ ووسادۃ حشوھا اذخر۔

(حضرت علی المرتضیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب فاطمہ الزہرا کو تیار کیا ایک چادر مشکیزے اور ایک تکیے میں جس میں اذخر گھاس بھرا ہوا تھا)۔

اس روایت سے "مروجہ جہیز" کو سنت نبوی سمجھنا بوجوہ غلط ہے۔

اولاً: اس روایت میں موجود لفظ جَہَّزَ کو "جہیز دینا"، کے معنی میں استعمال کرنا لغۃً غلط ہے۔ جہز کا مصدر تجہیز ہے اور تجہیز کے معنی مطلق تیاری کے ہیں۔ مثلاً۔

۱۔ جب ایک جماعت کے لیے رخصت سفر مہیا کیا جائے تو کہیں گے۔
جہز القوم۔

۲۔ اسی طرح جہّز الغازی کا مطلب ہے غازی کے لیے سامان حرب مہیا کرنا۔

۳۔ جہز فلانا کے معنی ہیں فلاں کے لیے رخصت سفر تیار کرنا۔

---

[1] احمد البنا، ترتیب مسند احمد بن حنبل: ۱۶: ۱۷۶ طبع قاہرہ

[2] ابی عبد اللہ المعروف بالحاکم النیسابوری: المستدرک: ۲: ۱۸۵ طبع حیدر آباد دکن سنہ ۱۳۴۰ھ

[3] احمد بن شعیب نسائیؒ: سنن: ۲: ۷۷ طبع نور محمد کراچی۔

۴ - جہز العروس کے معنی ہیں دلہن کا سامان مہیا کرنا۔
۵ - جہز المیت کا معنی ہے مردے کے کفن وغیرہ کا سامان مہیا کرنا۔
اس تصریح سے واضح ہو گیا ہو گا کہ جہز تجہیزا کے معنی ہیں کسی مقصد کے لیے کسی کو تیار کرنا" اس تیاری کے ساز و سامان کو عربی میں جہاز کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ۔ [1]

اور جب حضرت یوسف علیہ السلام نے ان (بھائیوں) کا سامان (راشن) تیار کر دیا۔
اب یہاں یہ معنیٰ تو نہیں لیا جا سکتا کہ جب حضرت یوسفؑ نے بھائیوں کو جہیز دیا۔ اسی طرح کئی ایک احادیث ہیں جن میں جہز کا لفظ استعمال ہوا ہے مگر وہاں "جہیز" کا معنیٰ لینا ٹھیک نہیں مثلاً۔

۱۔ سنن ابن ماجہ میں ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی علیا وفاطمۃ وھی فی خمیل لھما والخمیل القطیفۃ البیضاء عن الصوف قد کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہزھما بہا۔ [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضؓ کے ہاں تشریف لائے وہ دونوں اس وقت اون کی سفید چادر میں تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو اس چادر کے ساتھ تیار کیا تھا۔
اب اگر جہز کا معنی جہیز لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ آپ نے بیٹی کے علاوہ اپنے داماد کو بھی جہیز دیا۔ جو عقلاً اور نقلاً غلط ہے۔

عن عائشۃ وام سلمۃ قالتا امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نجہز فاطمۃ حتی ندخلھا علی علی فعمدنا الی البیت ففرشناہ

---

[1] سورۃ یوسف: ۵۹

[2] ابن ماجہ: سنن: ۱۳۱/۷ طبع مجتبائی دہلی۔

ترابا لینا من اعراض البطحاء الخ۔ [1]

حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم فاطمۃ الزہراء کو تیار کر کے علی المرتضیٰ کے پاس داخل کر دیں چنانچہ ہم اس تیاری کے ضمن میں گھر کی طرف متوجہ ہوئیں اسے سرزمین بطحا کی نرم مٹی سے پلستر کیا۔ اس کے بعد گھر کی دوسری تیاری کا تذکرہ ہے۔

اب اس روایت میں بھی جہّز کا معنی "جہیز" دینا کسی قیمت پر نہیں لیا جا سکتا۔

۳۔ غزوۂ خیبر کے موقعہ پر ام المؤمنین حضرت صفیہ بنت حیی کے ساتھ دوران سفر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا تذکرہ یوں ہے۔

حتی اذا کان بالطریق جهزتها له ام سلیم فاهدتها الیه من اللیل الخ۔ [2]

جب آپؐ نے رستے میں قیام کیا تو حضرت ام سلیم نے آپؐ کے لیے حضرت صفیہ کو تیار کیا اور رات کے وقت آپ کے پاس بھیج دیا۔

اب یہاں بھی جھز کا معنی "جہیز دینا" نہیں لیا جا سکتا۔

الحتصر جہز کا معنی جہیز دینا نہیں بلکہ مطلق ہر قسم کے رخت کیلیے ہے صرف دلہن کیلیے نہیں لطف تو یہ ہے کہ اصطلاح "جہیز" کے لیے عربی زبان میں کوئی لفظ ہی موجود نہیں۔ ہاں اب جہیز کے لیے ایک عربی لفظ ایجاد ہوا ہے اور وہ ہے "البائنۃ" لیکن یہ لفظ مولد ہے [3] اور مولد کے معنی یہ ہیں کہ یہ لفظ قدیم عربی لغت میں موجود نہ تھا اب اسے ضرورت کے ماتحت پیدا کیا گیا ہے یا بنایا گیا ہے اب سوچنے کی بات یہ ہے جس مفہوم کے لیے عربی میں کوئی لفظ ہی موجود نہیں وہ سنت رسول کیسے ہو گیا؟

---

[1] محمد الفاسی المغربی: جمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد ۱: ۳۸ طبع سمندری پاکستان

[2] احمد بن شعیب نسائی: سنن ۲: ۷۵ طبع نور محمد کراچی

[3] مصباح اللغات (عربی اردو ڈکشنری، تحت مادہ بین

ثانیاً: مروجہ جہیز کو سنت نبوی سمجھنا اس لیے بھی صحیح نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر تینوں صاحبزادیوں کو اتنا سامان بھی نہیں دیا گیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمین اور عادل و منصف ذات سے یہ بات بعید ہے کہ آپ اپنی اولاد مبارکہ میں کسی قسم کا ترجیحی سلوک روا رکھیں۔ جہاں تک ظاہری معاملات کا تعلق ہے ان میں کسی لڑکی یا لڑکے کو دوسری اولاد پر ترجیح دینا خلاف شرع ہے۔ آپؐ ہی کا ارشاد ہے۔

ساووا بین اولادکم فی العطیۃ فلو کنت مفضلا احدا لفضلت النساء[1]

تم عطیہ دینے میں اولاد کے درمیان برابری کرو۔ اگر کسی کی تفضیل یا ترجیح جائز ہوتی تو میں عورتوں کو فضیلت دیتا۔

اس سے بھی واضح ایک روایت یوں ہے۔

ترجمہ: "حضرت نعمان بن بشیر کہتے ہیں میرے والد (بشیر) نے مجھے بطور ہبہ کوئی چیز عطا کی میری والدہ نے ان سے کہا کہ اس ہبہ پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بناؤ چنانچہ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور عرض کی یا رسول اللہ اس لڑکے کی ماں نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں اسے بطور ہبہ کچھ دوں چنانچہ میں نے اس کے نام ہبہ کر دیا اب کہتی ہے کہ میں اس ہبہ پر آپکو گواہ بناؤں آپؐ نے دریافت فرمایا کیا تمہاری کوئی اور اولاد بھی ہے؟ والد صاحب نے عرض کیا ہاں۔ آپؐ نے پوچھا کیا تم نے تمام کو اسی طرح ہبہ کیا ہے جس طرح اس لڑکے کو کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا تب مجھے اس پر گواہ نہ بنا کیونکہ میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔ تمام اولاد کا تجھ پر یہ حق ہے کہ تو ان میں برابری کرے[2]"

---

[1] علی متقی: کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال: ۲۲: ۲۸ طبع حیدر آباد دکن

[2] ابو عیسیٰ ترمذی: الجامع: ص ۲۸۸ طبع نور محمد کراچی۔

ب۔ احمد البنا: الفتح الربانی ترتیب مسند احمد: ۱۹: ۵۸ طبع قاہرہ

ج۔ علی متقی: کنز العمال: ۲۲: ۵۱ طبع حیدر آباد دکن ۱۳۹۵ھ

معلوم ہوا کہ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کا جہیز (اگر اسے جہیز کا نام دیا جا سکے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی عطیہ نہ تھا ورنہ آنجناب باقی صاحبزادیوں کو بھی ضرور عنایت فرماتے۔

ثالثاً: جس طرح قرآن کا بعض، بعض کی تفسیر اور وضاحت کرتا ہے اسی طرح بعض احادیث بھی بعض کی وضاحت اور تفصیل بیان کرتی ہیں۔ سنن نسائی کی مذکورہ بالا حدیث میں حضرت علی المرتضیٰ کے حوالے سے حضرت فاطمہؓ کو سامان تیاری دینے کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ جس سے یہ شبہ پڑتا ہے کہ یہ سامان حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے دیا تھا۔ اس کے مقابلے میں دیگر بہت سی روایات ہیں جن میں یہ بات صراحت سے مذکور ہے کہ یہ مختصر سامان اسی رقم سے خریدا اور تیار کیا گیا تھا جو حضرت علی المرتضیٰ نے اپنی زرہ بیچ کر بطور مہر پیشگی آنجنابؐ کی خدمت اقدس میں پیش کر دی تھی۔ زرقانی شرح المواہب اللدنیہ میں ہے:

"آخر میں (علی المرتضیٰ) نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ کیا آپؐ فاطمہ کو مجھ سے بیاہنا پسند فرمائیں گے؟ آپؐ نے پوچھا کیا تمہارے پاس (مہر کے لیے) کچھ (مال) ہے؟ میں نے عرض کیا میرا گھوڑا ہے یا زرہ۔ فرمایا گھوڑے کی تو بہر حال تمہیں ضرورت رہے گی۔ رہی زرہ تو اسے فروخت کر دو۔ چنانچہ میں نے عثمان بن عفانؓ کے ہاتھ چار سو اسی درہم میں فروخت کر دی۔ اس کے بعد عثمانؓ نے وہ زرہ بھی واپس کر دی۔ حضرت علی وہ زرہ اور رقم لے کر حضور کی خدمت میں آئے حضورؐ نے عثمانؓ کے حق میں دعائے خیر فرمائی جیسا کہ ایک روایت میں ہے۔ پھر میں (علیؓ) رقم لے کر آیا اور حضورؐ کی گود میں رکھ دی۔ حضور نے اس میں سے ایک مٹھی بھر کر فرمایا کہ بلال! اس رقم کی خوشبو خرید کر ہمارے پاس لاؤ۔ ابن خیثمہ نے حضرت علی کی زبانی جو روایت بیان کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ: ان چار سو اسی درہم کی تہائی خوشبو میں صرف کی جائے ..... پھر حضور نے لوگوں کو حکم دیا کہ ان

۱؎ عربی عبارت بخوف طوالت سے ترک کی جاتی ہے۔

(فاطمہ) کا سامان مہیا کریں۔ چنانچہ ان کے لیے ایک بنی ہوئی چارپائی اور ایک چرمی تکیہ جس میں کھجور کی کھال بھری تھی تیار کیے گئے۔[1]

ایک شیعہ عالم کی روایت اس سے بھی زیادہ واضح ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ حضرت علی نے حضرت عثمان کے ہاتھ جب زرہ بیچ کر رقم آپؐ کی جھولی میں ڈال دی تو آپؐ نے اس میں سے دو مٹھی بھر کر حضرت ابوبکرؓ کے حوالے کیں اور فرمایا اس رقم سے فاطمہؓ کے لیے کپڑے اور گھر کا سامان خریدو۔ چنانچہ حضرت ابوبکر کے ساتھ حضرت عمار بن یاسر اور دیگر صحابہ بازار گئے۔ باقی صحابہ مختلف اشیاء حضرت ابوبکرؓ کو دکھاتے اور مشورہ طلب کرتے جس چیز کو حضرت ابوبکر پسند فرماتے وہ خرید لی جاتی۔ چنانچہ اس طرح ایک قمیص، اور ایک اوڑھنی، ایک خیبری سیاہ چادر، ایک بنی ہوئی چارپائی، بستر کے دو گدے، ایک صوف کا کپڑا، ایک چمڑے کا مشکیزہ دودھ کے واسطے لکڑی کا ایک مٹی کا کوزا۔ یہ سامان جب آپ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے یوں دعا فرمائی۔

بارك الله لاهل البيت ۔[2]

(باری تعالیٰ اہل بیت کے لیے برکت عطا فرمائے)

علاوہ ازیں شیعہ سنی ہر دو مکاتب فکر کی کتب مثلاً ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ لطبری التاریخ لامام بخاری، کتاب السنن لسعید بن منصور، مناقب ابن شہر آشوب، کشف الغمہ لعلی بن عیسیٰ اربلی، بحار الانوار لملا باقر مجلسی وغیرہ میں یہ امر بڑی تفصیل سے بیان ہوا ہے کہ یہ سارا سامان حضرت علی المرتضیٰ کی پیش کردہ رقم مہر سے خریدا گیا تھا نہ کہ حضورؐ کے اپنے مال سے۔

انہیں روایات میں مناقب لاخطب خوارزم کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جن سے اچھی طرح مترشح ہوتا ہے کہ یہ سامان "مروجہ سامان جہیز" نہ تھا بلکہ ایک ضرورت تھی جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ کہتے

---

[1] محمد بن عبد الباقی زرقانی: شرح المواہب اللدنیہ: ۲: ۳، ۴ طبع مصر ۱۳۲۵ھ

[2] شیخ ابو جعفر طوسی: کتاب الامالی: ۱: ۳۹ طبع جدید نجف اشرف عراق

[3] مناقب لاخطب خوارزم: ص ۲۵۲ مطبع حیدریہ نجف اشرف ۱۹۶۵ء

ہیں کہ حضورؐ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے ابوالحسن! جا اور اپنی زرہ بیچ کر رقم میرے پاس لا۔

حتی اھیئ لک ولا بنتی فاطمة ما یصلحکما۔الخ [1]

(تاکہ میں تمہارے لیے اور اپنی بیٹی فاطمہ کے لیے وہ سامان تیار کروں جس کی تمہیں ضرورت ہو گی)۔

رابعاً، قرآن و سنت اور کتب فقہ میں ازدواجی زندگی کی پوری تفاصیل موجود ہیں۔ قرآن نے ہدایات دیں اور صاحب قرآن علیہ التحیۃ والتسلیم نے معاشرے میں ان کی عملی تفسیر فرمائی۔ عہد نبوی اور پھر خلفائے راشدین کے زمانے میں ازدواجی زندگی سے متعلق مختلف مسائل سامنے آئے اور ہر پیش آمدہ مسئلے کا حل بتا دیا گیا مثلاً جائز ناجائز رشتے، نکاح طلاق، ظہار، ایلا، لعان، خلع، مفقود الخبر، حلالہ، مہر، عورت، حضانت، رضاعت تجدید نکاح، عقد ثانی، نان نفقہ وغیرہ۔ ان تمام مسائل میں جو چیز نظر نہیں آتی وہ مسئلہ جہیز ہے۔ پھر یہ کہ قرون اولیٰ کی شادیوں میں اس کا کہیں وجود نظر نہیں آتا۔

قرآن و سنت، کتب فقہ اور قرون اولیٰ کی شادیوں میں جہیز کا نہ پایا جانا بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ سنت نہیں۔ ورنہ وہ لوگ ہم سے کہیں زیادہ متبع سنت تھے۔

مروجہ جہیز کی معاشی و معاشرتی خرابیاں

عموماً رسوم کی ابتدا نیک جذبات، باہمی تعاون اور اعلیٰ مقاصد کے ماتحت کی جاتی ہے لیکن مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ ان میں بتدریج اسراف، نمائش، تکلف اور ناروا پابندیاں آتی چلی جاتی ہیں تاآنکہ وہ پورے معاشرے کے لیے کئی ایک مسائل کھڑا کر دیتی اور آخر کار اس کے لیے زنجیر پا بن جاتی ہیں۔ کچھ ایسا ہی حال رسم جہیز کا ہوا ہے۔ ہمارے ہاں کے رئیسوں، نوابوں جاگیرداروں، سود خوروں اور رشوت ستانوں نے اپنی بے محنت اور ناجائز ذرائع سے کمائی

---

[1] مناقب لاخطب خوارزم: ص ۲۵۲ مطبع حیدریہ نجف اشرف ۱۹۶۵ء

ہوئی دولت کی نمائش اپنی بیٹیوں کی شادیوں پر جہیز کی شکل میں اس طریقے سے کی کہ ان کی دیکھا دیکھی متوسط الحال طبقے کے لوگ بھی ان کے نقش قدم پر چل نکلے اور اب مشرق وسطیٰ اور یورپین ممالک سے آنے والی دولت نے اس نشہ کو دو آتشہ کر دیا۔ جہیز کی شکل میں اپنی دولت کی نمائش اور اظہار برتری کی ایک دوڑ لگ گئی ہے ہر شخص دوسرے سے بازی لی جانے کی فکر میں ہے۔ جہیز صرف اشیائے ضرورت تک محدود نہیں رہا بلکہ جہیز کے نام پر سامان تعیش (مثلاً کار، کوٹھی، بنگلہ فریج، ٹی وی، وی سی آر اے سی وغیرہ وغیرہ) کے انبار لگنا شروع ہو گئے ہیں۔ احمد عبدالرحمٰن البنا الساعاتی نے مسند احمد کی مختصر شرح میں جہیز کے معاملے میں موجودہ معاشرے کی سچی تصویر کھینچی ہے۔ فرماتے ہیں۔

وقد اسرف الناس فی زماننا فیما لا حاجة الیه من امر الجهاز بقصد التفاخر والمباهاة حتى ان الفقیر لیبیع امتعة بیته ویستدین لیجهز ابنته وهذا حرام فعله۔ [1]

ہمارے زمانے کے لوگ جہیز کے معاملے میں ایسے اسراف اور فضول خرچی میں پڑ گئے ہیں جس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور مقصود صرف اپنی بڑائی کو ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ فقیر اور غریب آدمی اپنی بیٹی کو جہیز دینے کے لیے اپنے گھر کے سامان تک بیچ دیتا ہے اور قرض کا بار عظیم اٹھاتا ہے حالانکہ اس کا یہ فعل حرام ہے ـــ اب ذرا آگے بڑھیے اگر ایسا نہیں کرتا ہے تو برادری میں اس کی ناک کٹتی ہے۔ برادری میں اپنا جھوٹا بھرم قائم رکھنے کے لیے، ناک کو اونچا رکھنے کے لیے، اپنے آپ کو مد مقابل سے زیادہ دولت مند دکھانے کے لیے، سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے اور لوگوں سے داد کے حاصل کرنے کیلئے کیا کچھ نہیں کیا جاتا۔ حلال حرام کی تمیز کیے بغیر دونوں ہاتھوں سے دولت کمائی جاتی ہے، بازار رشوت گرم ہوتا ہے، سود خوری کی عادت پڑتی ہے۔ . . . . ۔ اشیائے خوردنی میں ملاوٹ کی جاتی ہے، اصل دکھا کے نقل دی جاتی ہے۔ ترازو میں ڈنڈی ماری جاتی ہے۔ بلیک مارکیٹنگ

---

[1] احمد عبدالرحمٰن البناء: بلوغ الامانی: ۱۶: ۷۷ طبع قاہرہ

میں گھیلہ کیا جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ بات یہیں تک نہیں رہتی جہیز مہیا کرنے کے لیے لڑکی کو ملازمت کرنا پڑتی ہے۔ وہ عورت جس کا مقام "وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ" (اپنے گھروں میں ٹھہری رہو) تھا اس کو دفاتر میں، بینکوں میں، شاپنگ سنٹرز میں غیر محرموں سے دوچار ہونا پڑتا ہے، لبوں میں دھکے کھانے پڑتے ہیں آفیسرز کی جھڑکیاں کھانی پڑتی ہیں۔ اور ان میں بعض بے چاری مجبور ہیں اگر ایسا نہیں کرتی ہیں تو سامان جہیز نہیں بنتا اور اگر سامان جہیز نہیں بنتا تو انہیں بطور بیوی کوئی قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ بہت سی ایسی لڑکیاں ہوتی ہیں جن کے ارمانوں کا محض جہیز نہ ہونے کی وجہ سے خون ہوتا رہتا ہے۔ علاوہ ازیں سامان جہیز مہیا کرنے کے لیے اور لوگوں میں اپنا نام اونچا کرنے کے لیے قرض جیسا عظیم بار اٹھایا جاتا ہے۔ اور یہ قرض ایسا بار ہے جس سے اللہ کی راہ میں جان دینے والا اور جس کے خون کے قطرے کے زمین پہ گرنے سے پہلے ہی سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں وہ بھی بری الذمہ نہیں۔ اور پھر ہمیں یہ بات بھی معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین محب الفقراء والغرباء والمساکین ذات نے بھی مقروض کی نماز جنازہ پڑھنے سے گریز فرمایا ہے۔

بسا اوقات جہیز کے لیے قرض اٹھانے والا والد اس دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے اور بعد میں اس کی اولاد مدت العمر اس بوجھ تلے کراہتی رہتی ہے۔

والدین کا جہیز دینا درجۂ مباح میں ہے

یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ شادی پہ لڑکی کو والدین کا جہیز دینا کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ نہ ہی یہ لازمۂ نکاح ہے اور نہ ہی یہ سنت ہے۔ جہیز کا جملہ سامان مہیا کرنے کا ذمہ دار خاوند ہے۔ گھریلو ساز و سامان تو الگ رہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کے لیے خوشبو بھی مہر کی رقم سے منگوائی۔ یہ سب کچھ تعلیم امت کے لیے تھا ورنہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاہتے تو احد پہاڑ کو سونا بنا کر فاطمہ رضی کے جہیز میں دے دیتے۔ اس کے باوجود جب یہ رسم (والدین کا شادی کے موقعہ پہ سامان جہیز دینا) ہمارے معاشرے میں آگئی ہے۔ صرف آ ہی نہیں گئی بلکہ جڑ پکڑ چکی ہے دوسرے یہ کہ فطری طبعی اور پدری تقاضوں کے مطابق

کوئی والد نہیں چاہتا کہ وہ اپنی نورِ نظر اور لختِ جگر کو ہمیشہ کے لیے گھر سے رخصت کرتے وقت بطور نشانی ساتھ کچھ نہ دے تو اس رسم کو چند قیود کے ساتھ "الاصل فی الاشیاء الاباحۃ" کے تحت مباح کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ اور ہمارے بعض متاخرین فقہاء نے اس کو اپنی کتابوں مثلاً فتاویٰ عالمگیری اور فتاویٰ شامی وغیرہ میں جگہ دی ہے۔ لیکن اس کو حضرت فاطمۃ الزہراء کی پاک ذات کی طرف منسوب کر کے جو ایک مذہبی تقدس دیا جاتا ہے اور اس مذہبی تقدس کی آڑ میں جو نمود و نمائش اور اظہارِ دولت کیا جاتا ہے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور برتری حاصل کرنے کی جو سعی نامشکور کی جاتی ہے وہ بہرکیف غلط ممنوع، خلاف شرع اور خلاف قرآن و سنت ہے۔

چند حدود و قیود جس ہندو معاشرہ سے یہ رسم آئی تھی وہ تو اس کے بھیانک انجام کو دیکھ کر پابندیاں لگا رہے ہیں اور ہم مسلمان ہو کر اس کو تحفظ اور دوام بخش رہے ہیں۔ ہم نے اسے شادی کا ایک ایسا لازمہ تصور کر لیا ہے جس کے بغیر شادی ہی نہیں ہو سکتی۔ اور جس کی وجہ سے معاشرہ میں کئی ایک معاشی، معاشرتی اور اخلاقی برائیاں جنم لے رہی ہیں ان حالات سد ذرائع کے طور پر اس سلسلے میں چند پابندیاں ضروری ہیں۔

۱۔ جہیز جو عربی لفظ "جہاز" کا امالہ ہے اس کے لغوی معنی اور ترکیب میں مایحتاج الیہ (جس کی ضرورت ہوتی ہے)، کا مفہوم داخل ہے۔ لہٰذا جہیز میں یہ بات ضروری ہے کہ بقدرِ ضرورت و حاجت سامان ہونا چاہیئے۔ احمد البناء الساعاتی نے لکھا ہے۔

وفی الباب دلالۃ علی الاقتصاد فی الجهاز وعدم التوسیع فیه وان یکون علی قدر الحاجة۔[1]

(اس باب میں اس بات پر دلالت ہے کہ جہیز میں میانہ روی اختیار کی جائے، خواہ مخواہ اس میں وسعت نہ کی جائے اور یہ کہ بقدرِ حاجت ہو)۔

---

[1] احمد عبد الرحمٰن البناء، بلوغ الامانی شرح فتح الربانی لترتیب مسند احمد: ۱۶: ۷۷ الطبع قاہرہ

بلاضرورت زیادہ ساز و سامان شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہے۔ ایسے سامان کی کیا ضرورت اور کیا فائدہ جس کے استعمال کی زندگی بھر نوبت نہ آئے اور وہ صرف کمروں کی زینت بنا رہے۔ نہ دین کا فائدہ نہ دنیا کا فائدہ۔ اور پھر اس مقصد کے لیے بلاضرورت اتنا قرض اٹھانے کی کیا ضرورت کہ انسان بعد میں ساری زندگی قرض کے بوجھ تلے کراہتا رہے۔

۲۔ شادی کے موقعہ پر سامان جہیز برادری یا اہل محلہ کو دکھانے پر قطعی پابندی لگا دی جائے یہی دکھاوا فساد کی بنیاد ہے۔ اسی سے مسابقت کا جذبہ اور رجحان پیدا ہوتا ہے۔ والدین آخر اپنی بیٹیوں کو صرف شادی کے موقعہ پر ہی تو نہیں دیتے وہ تو ساری زندگی حسب توفیق اپنی بیٹیوں کو ہدایا و تحائف دیتے رہتے ہیں۔ شادی کے بعد جو کچھ دیا جاتا ہے وہ تو کبھی نہیں دکھایا گیا۔ جب معاملہ یوں ہے تو پھر شادی کے موقعہ پر یہ ساز و سامان دکھانے کی کیا ضرورت ہے۔ جب یہ پابندی لگ جائے تو پھر اس چیز کی بھی ضرورت نہ رہے گی کہ اتنی مالیت کا جہیز ہو سکتا ہے ورنہ قانوناً جرم ہوگا۔

۳۔ جہیز، زیورات، کپڑے، فرنیچر، اثاث البیت ظواہر معیشت ہیں۔ اسلام میں معاشی مساوات تو نہیں مگر ظواہر معیشت اور ظاہری بود باش میں مساوات ضروری ہے۔ اجنبی آدمی کو صحابہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کرنا پڑتا تھا کہ تم میں نبی کون ہے؟ ایک صحابی نے اپنے مکان پر بالاخانہ بنوایا تو اس صحابی سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض فرما لیا۔

یہی حال خلفائے راشدین کا تھا۔ قیصر و کسریٰ کے خزانے موجود ہونے کے باوجود خلیفہ المسلمین اور دیگر عام آدمیوں میں کوئی ظاہری اور نمایاں فرق نہ تھا۔ کوفہ و بصرہ کے شہر آباد کیے گئے تو ہدایت دی گئی کہ تین کمروں سے زیادہ کمروں والا مکان نہ بنایا جائے۔ لہٰذا ظواہر معیشت میں مساوات قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ سامان جہیز ہی نہیں بلکہ تقریب نکاح میں شامل مستورات کے زیورات اور ملبوسات میں بھی میانہ روی کو رواج دیا جائے اور لوگوں کے

سامنے زیب وزینت اور اکڑفوں سے بچا جائے ۔کیونکہ یہ شیوۂ قارون ہے اور قرآن کی زبان میں " ولا تبغ الفساد فی الارض " کے مترادف ہے۔

افسوس ہے کہ ہمیں دنیا کے سامنے تو اپنی ناک اونچی رکھنے کی فکر ہے مگر میدان محشر میں اپنے آقا و مولیٰ کے روبرو ناک اونچی رکھنے کی فکر نہیں۔ وما علینا الا البلاغ